Oriental College Magazine, Vol.101, No. 01, Serial No. 379, 2025

بین الاقوامی ناولوں کے اردو تراجم اور ہمارا ناول نگار

ظہیر عباس، پی ایچ ڈی

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو

ادارہ زبان وادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور

URDU TRANSLATIONS OF INTERNATIONAL NOVELS AND OUR NOVELIST

Zaheer Abbas, PhD
Assistant Professor of Urdu
IULL, Punjab University, Lahore

Abstract

The comparison of the Urdu novel with the western novel started in the third and fourth decade of 20th century, but no critic wrote on this subject and said that if our novel does not meet the standards of the international novel, then, What are the reasons? The way the international novelist understood the subject and the attitude of the novel while writing a novel, He freed his Novel from the repression of history. In this article we have tried to know the reasons due to which our novelist is facing difficulties. In the 21st century, when the novel has become a global reality, our novelist will have to train the novel from historical texts, from the text, character and novel history. Otherwise, he will be suffering from incompleteness at the creative level. This article discusses them with problems and critically point to the issues that our novelist faces. In the post -modern era, while the novel is facing the challenge of survival, the Urdu novelist has to understand all the issues that make us a great novel. This article is a link in the same series.

Keywords:
International Novel,Translation Studies,Urdu Novel,Cultural Differences

اردو زبان اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ پچھلے کچھ عرصے سے اردو ناول کی دنیا میں تراجم کی بہار آئی ہے۔ تمام اہم اشاعتی ادارے بڑھ چڑھ کر ناولوں کے تراجم قارئین کے لیے شائع کر رہے ہیں۔ موقر ادبی جرائد میں آپ کو مقامی تخلیقی ادب سے زیادہ تراجم کی چہل پہل نظر آئے گی۔ یہ خوش آئند بات ہے کہ ناول کے قارئین کو بین الاقوامی ناولوں کے تراجم اپنی زبان میں پڑھنے کو مل رہے ہیں۔ ناول کا قاری عمومی طور پر اس صورت حال سے خوش اور مطمئن ہے۔ اس مضمون کے ذریعے سے ہم ان چند سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جو تراجم کی اس صورت حال کا شاخسانہ ہیں۔ اردو میں ناول کے تراجم کی روایت بڑی مضبوط اور اطمینان بخش ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مغرب کے اہم اور عظیم ترین ناولوں کی تعداد اردو کے اہم ناولوں کے برابر ہے؟ کیا اردو ناول نے مغربی ناول سے اکتساب کیا جیسا مختلف النوع زبانوں نے کیا یا جیسے ہمارے ہاں نظم اور افسانے کے معاملے میں ہوا؟ اگر ایسا نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟ کیا معیار کے لحاظ سے ہمارے اردو ناول اور مغربی تراجم میں توازن ہے؟ ہمارے ہاں سرشار سے لے کر تاحال دنیا بھر کا بہترین ناول ترجمہ ہو چکا اور یہ کام جاری ہے تو وہ جو ایذرا پاونڈ نے کہا" کہ جو دور تخلیقی ادب کے لحاظ سے عظیم ہوتا ہے، وہ ترجمے کے لحاظ سے بھی عظیم ہوتا ہے۔ یا تخلیق کا دور ترجمے کے دور کے بعد آتا ہے۔"(۱) کیا یہ بات ہمارے ادب پہ صادق آتی ہے؟ تو جواب نفی میں ہے۔ ہمارے ہاں تراجم نے مقامی ناول اور مغربی ناول کے درمیان پل کا کام نہیں کیا۔ ہمارا ناول نگار مغربی ناول کا اچھا قاری ضرور رہا ہے لیکن ماسوائے اکا دکا مثالوں کے اس نے اپنے تخلیقی عمل کو عالمی ناول کے وژن سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ رتن ناتھ سرشار شاید وہ واحد مثال ہیں جنھوں نے ڈان کیہوٹے کو پڑھا اس کا ترجمہ کیا اور پھر تخیلی سطح پر اس سے اکتساب بھی کیا۔ اگر قاری سانچو پانزہ اور ڈان کیہوٹے جیسے عظیم ترین کرداروں سے بے خبر بھی ہو تو بھی وہ آزاد اور خوجی کی کردار سازی سے لطف اندوز ضرور ہو گا۔ بالکل ویسے ہی جیسے مادام بواری کے بعد لکھا گیا اینا کارینینا موضوعاتی مماثلت کے باجود عالمی ناول کی دنیا میں اپنی جدا شناخت رکھتا ہے۔ محمد حسن عسکری نے بجا کہا ہے کہ" سروانٹیز کے طفیل اردو میں کم از کم دو ناول وجود میں آئے۔ ایک تو "فسانہ آزاد "اور دوسرے "حاجی بغلول"۔(۲) سرشار نے براہ راست مغربی ناول سے استفادہ کیا اور اس سے اردو ناول کی روایت کو وقیع کیا۔

ناول کی انفرادیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ تاریخی، مذہبی اور وجودی حقائق کو چیلنج کرتا ہے۔ یہ

اپنی دنیا آپ خلق کرتا ہے۔ بنی بنائی دنیا سے اس کا سروکار واجبی سا ہوتا ہے۔ معاشرتی اقدار کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ فرد جو تاریخ میں حاشیے پر ہوتا ہے ناول کی دنیا میں اسے مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کنڈیرا کہتا ہے کہ تاریخ نویسی (Historiography) معاشرے کی تاریخ لکھتی ہے، آدمی کی نہیں۔(۳) سو آدمی کو موضوع ناول بناتا ہے۔ یہ ہر طرح کے ازم سے فرد کو آزادی دلانے کی چومکھی لڑائی لڑتا ہے۔ ہمارے ہاں انیسویں صدی سے تاحال لکھے جانے ناولوں کے متعین موضوعات ہیں جن کا تعلق فرد سے زیادہ اس زمانے کے نوآبادیاتی، مذہبی یا سماجی معاملات سے ہے۔ ہمارے لکھاری نے فرد کو جیسا ہے کی بجائے فرد کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور کامیاب ٹھہرا۔ ہم نے اپنے ناولوں میں بیٹی، بیوی اور ماں کو موضوع بحث بنانے کی بجائے اسے "سعادت مند بیٹی، سلیقہ شعار نیک بخت بی بی اور مہربان عقل مند ماں"(۴) بنانے پر اپنا سارا زور صرف کیا۔ یہ روایت اتنی مضبوط تھی کہ آج بھی ہم اسی کے زیر اثر ہیں ہمیں امراو جان ادا جیسے ناولوں کی روایت کی ضرورت تھی جو کبھی پنپ نہ سکی۔

ہمارے ناول نگار کا سروکار ناول سے زیادہ سماج تھا۔ اور وہ سماج من وعن ناول کی دنیا میں بھی در آیا۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہمارے ہاں فرانسیسی اور روسی ناولوں کے تراجم ہونا شروع ہوئے۔ ہمارے فنکار نے خوش دلی سے انھیں خوش آمدید کہا، روسی ناول کے پیچیدہ موضوعات اور کرداروں کے جنگل میں گم بھی ہوا لیکن خود خالی ہاتھ واپس آیا۔ مذہبی مابعد الطبیعیات کیسے انسانی باطن کو وجودی سطح پر تشکیک و تیقن کے درمیان معلق کرتی ہے، تاریخ کیسے انسانی وجود سے اکھاڑ پچھاڑ کرتی ہے، اسے برتنے کی کوشش ہمارے ہاں کسی ناول میں نظر نہیں آتی۔ لگ بھگ اسی زمانے میں "مادام بواری" اور "تائیس" جیسے ناول تراجم کے ذریعے اردو کی دنیا سے متعارف ہو چکے تھے۔ یہ وہ دور ہے جب ہمارے ہاں ناول سے زیادہ افسانے کا غلغلہ تھا۔ منٹو، بیدی، غلام عباس جیسے افسانہ نگار بقول ایذرا پاؤنڈ عظیم افسانہ تخلیق کر رہے تھے۔ مغربی ادب سے ان افسانہ نگاروں نے براہ راست تو، کبھی تراجم کے ذریعے رابطہ استوار کیا لیکن اس زمانے میں ناول ماسوائے پریم چند کے گئودان کے جس کا تعلق تراجم کی روایت سے کم اور مقامی مصائب سے زیادہ ہے، خاموش نظر آتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد ہمارے ہاں اردو ناول کے متوازی تراجم کی مضبوط روایت بھی نظر آتی ہے۔ تقسیم ہند بلاشبہ ہندوستانی تاریخ کا ایک ایسا وقوعہ ہے جس کے اثر سے ہم تاحال نہیں نکل پائے۔ ہمارے ناول میں تاریخ براہ راست اپنا کردار ویسے ہی ادا کرتی نظر آتی ہے جیسے وہ ناول سے باہر وجود رکھتی ہے۔

ناول کی دنیا میں تاریخ اور تاریخی واقعات پس منظر میں ہوتے ہیں لیکن وہ انسان پر اثر انداز براہ راست ہوتے ہیں۔ انسان کی حیثیت مرکزی ہوتی ہے کیونکہ تاریخ بنانے والا اور تاریخ کو جھیلنے والا انسان ہی ہوتا ہے۔ ناول کسی بھی وقوعے کا براہ راست اظہاریہ نہیں ہوتا۔ وہ رونما ہونے والے تاریخی واقعات کا تخیلی اور امکانی بیان ہوتا ہے۔ ناول کی قرات قاری کو ایک متوازی بیانیے سے روشناس کرواتی ہے۔ ہم جب اس قبیل کے اردو ناولوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے تاریخ سے ملتی جلتی ایک کتاب پڑھ رہے ہیں۔ کردار ایسے لگتا ہے جیسے کہیں ہمارے آس پاس کے ہیں۔ حقیقت پسند ناول اتنا بھی حقیقت پسند نہیں ہوتا کہ اس پر تاریخ کا گمان ہو۔ قیام پاکستان کے فوری بعد ہمارے ہاں سیاسی نظام کی بساط لپیٹ لی گئی۔ جبر کے نامختتم موسموں کا آغاز ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب لاطینی امریکی ریاستیں بھی اسی قسم کی صورت حال سے دوچار ہوئیں۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان کا یہ کہنا بجا کہ "پابندیوں کے زمانے میں ایسے افسانوں اور نظموں کے تراجم زیادہ ہونے لگتے ہیں جن میں پابندیوں کے خلاف باغیانہ لہجہ یا جبر کا احساس نمایاں ہو۔ ایسی صورت حال میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے ادیبوں کی یہ روحانی ضرورت بن گئی ہے یا وہ شعوری طور پر تہذیبی اور سماجی صورت حال کے پس منظر میں ایک نوع خاص کی تخلیقات سے دلچسپی رکھنے پر مجبور ہیں۔ وہ باتیں جنھیں وہ خود بیان نہیں کرسکتے، انہیں ترجموں کی زبان سے ادا کر رہے ہیں۔"(۵) اس حوالے سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ باتیں جنھیں وہ خود بیان نہیں کرسکتے۔ کیوں نہیں کرسکتے؟ ایسے زمانے میں تو فنکار نئے گیتوں اور نت نئے طرز بیان ایجاد کرتا ہے۔ ہمارے ہاں لاطینی امریکی یا اس کے بعد مشرق وسطی یا افریقی مابعد آبادیاتی صورت حال کا سامنا کرتے ناولوں کے تراجم کا چلن عام ہوا۔ ان ناول نگاروں نے جبر کے زمانے میں بات کرنے کا نیا ڈھنگ سیکھا اور ان کے ناولوں کی تفہیم کے لیے نقادوں کو نت نئی اصطلاحات ایجاد کرنا پڑیں۔ ہمارے ناول نگار نے نہ صرف ان ناولوں کو انگریزی ترجمے کی صورت میں پڑھا بلکہ تراجم بھی پڑھے لیکن وہ قاری کی سطح سے اوپر نہیں اٹھ پایا۔

سرشار کی طرح اس نے لکھنے کی کوئی نئی طرح نہیں نکالی۔ اکیسویں صدی میں ہمارے ہاں اکا دکا کوششیں ضرور ہوئیں۔ میرے ذہن میں فوری طور پر "چار درویش اور ایک کچھوا" آرہا ہے۔ ناول پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ناول نگار کا مغرب کے ناول کا مطالعہ قابل قدر ہے لیکن ناول کو نویکلا بنانے کی کوشش میں ناول کا خون کر دیا ہے۔ ناول کی دنیا میں انھوں نے ایک آمر کو موضوع سخن بنایا ہے لیکن خود

بھی معروضیت کا گلہ گھونٹ کر آمرانہ رویہ ہی اپنایا۔ناول نگار بدترین سماجی کردار سے بھی بطور ناول نگار نفرت کا اظہار نہیں کرتا بلکہ ناول کی بنائی گئی دنیا میں اس کی شخصیت کے وہ ان پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتا ہے جو سماج کا مسئلہ نہیں ہوتے۔ قاتل سے محبت کیسے کی جاتی ہے یہ بات ہمیں دوستوئفکی اور کامیو بتاتا ہے۔ آمر کو بطور انسان ناول کی دنیا میں کیسے دکھایا جاتا ہے یہ یوسا اور نجیب محفوظ بتاتے ہیں۔

ہمارے ناول نگار کی راہ کھوٹی کرنے میں سب سے زیادہ کردار مذہبی بیانیے کی ہر جگہ مداخلت نے ادا کیا۔ناول نگار تخلیقی عمل کے دوران اس سماجی جکڑ بندی سے خود کو آزاد کر ہی نہیں پایا۔ جس بات کو وہ فراموش کر دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ناول کی تخلیق کے دوران وہ محض ناول نگار ہوتا ہے۔اس کا ان لمحوں میں کوئی سماجی کردار نہیں ہوتا۔وہ گوشت پوست کے زندہ انسان سے ایک بے رنگ اور بے بو سیال میں ڈھل جاتا ہے۔وہ اشیا اور موجودات کی ہیت اور آہنگ پر نہیں بلکہ ان کی وجوہات، پس منظر اور پیش منظر کو مد نظر رکھتا ہے،وہ اس دوران میں نفرت، محبت، گناہ، ثواب اور اچھائی برائی کے سماجی تصورات سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب ناول کی دنیا میں اس کا قلم ان موضوعات کا احاطہ کرتا ہے تو قاری کو بھی وہ سماجی تعصبات کے دائروں سے نکال لیتا ہے۔ناول کی سلطنت میں بادشاہت مصنف کی نہیں بلکہ بیان کنندہ اور قاری کی ہوتی ہے۔بقول میلان کنڈیرا ناول نگار کو خود فلسفہ بھگارنے کی اجازت نہیں ہے۔ہاں اگر اس کا کوئی کردار فلسفہ بگھارتا ہے تو ہمیں اسے اس پوری آزادی دینی چاہیے۔(۶) لیکن افسوس ہمارے ہاں ایسا نہ ہو سکا۔ہمارا ناول نگار جا بجا مبلغ، مبصر، رہنما اور ناصح تو کبھی مورخ کے روپ میں نظر آتا ہے۔ہمارا ناول نگار سماجی دانش مندی کا چولا اتار کر بقول ہر من براخ ناولی دانش کا چولا نہ پہن سکا۔ہمارا ناول نگار کرامازوف برادران، تائیس اور حرف سرخ جیسے ناولوں سے یہ نہیں سیکھ پایا کہ ناول کا کردار ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی نفسیات اور اس کے نفسی مسایل کیسے اس کے اندر ایسے طوفان بپا کرتے جو تمام سماجی اور مذہبی بیانیوں کا پول کھول دیتے ہیں۔ سماجی اور مذہبی دباو کا تخلیقی ادب میں سامنا کرنے بجائے، اس سے نپٹنے کے لیے تخلیقی حکمت عملی ترتیب دینے کی بجائے ہم نے تراجم پر انحصار کیا اور خوش ہو لیے۔ ہم اس بات پر مطمئن رہے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔مذکورہ ناولوں کے متوازی ہم خود اردو ناول میں وہ دنیا کیوں خلق نہ کر سکے ؟اس کا سادا سا جواب ہے جب آپ کے دماغ میں لکھتے وقت یا لکھنے سے پہلے قاری کا، سماجی اور مذہبی اشرافیہ کا ہلکا سا بھی تصور ہو گا تو آپ کے قلم کا قدم لامحالہ اس رخ کو چلے گا جدھر قارئین کا گروہ ہو گا۔ سماج کے گھناونے کردار سے نفرت اگر ناول میں بھی در آئے گی تو پھر "رقص نامہ " اور " پھٹتے آموں کا کیس"

جیسے ناول خلق ہوں گے۔ جو مصنف اور قاری کے تعصبات کے عین مطابق ہوں گے۔ دونوں کا جس نظریے پر پہلے سے اتفاق ہے ناول لکھنے اور پڑھنے کے بعد بھی ان کا اتفاق ہی رہے گا۔ سماج کا بدترین کردار بھی ناول کی دنیا میں آکر قابل قبول ہو جاتا ہے۔ ہمارے ناول نگار نے اس رمز کو دریافت ہی نہیں کیا ورنہ وہ اس بات سے ضرور آشنا ہوتا کہ ناول کی دنیا کا کوئی کردار بھی قابل نفرت نہیں ہوتا۔ ناول کی دنیا کا مبلغ، تاریخ میں بسنے والا مبلغ نہیں ہوتا۔ مغربی ناول نگار کردار کے سماجی منصب کو موضوع بحث نہیں بناتا بلکہ وہ بحیثیت انسان اس کے جبلی، نفسیاتی اور روحانی معاملات سے سروکار رکھتا ہے جو سماج میں اس کی حیثیت کا تعین کرتے ہیں۔

منٹو اگر سماجی دباو کا اپنے افسانے کی طاقت سے ٹھٹھا اڑا سکتا ہے تو کوئی ناول نگار کیوں نہیں؟ اس نے روسی افسانوں کے تراجم کیے مغربی افسانے کا مطالعہ کیا تو محض قاری کی حیثیت سے نہیں بلکہ بطور ایک تخلیق کار اپنی تخلیقی صلاحیت کو پرکھا جانچا اور وہ لکھا جو اسے اسی صف کا افسانہ نگار بنا گیا۔ ہمارے ناول نگار نے جن میں عبداللہ حسین، قرت العین حیدر، انتظار حسین اور تارڑ جیسے بڑے نام شامل ہیں۔ ناول کی دنیا کا مواد ناول کے مطالعے سے کم اور تاریخ وفلسفے کی کتب سے زیادہ لیا یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہمیں تاریخ وفلسفہ تو پوری قوت سے نظر آتا ہے لیکن کرداری پیشکش کم کم ہی نظر آتی ہے۔ ناول کی دنیا کی اپنی تاریخ، اپنا وقت اور اپنا زمانہ ہوتا ہے۔ ہمارے ناول میں ہمارا زمانہ، ہماری تاریخ اور ہمارا وقت در آئے۔ یہی وجہ ہے وہ وژن جو ناول سے مخصوص ہے اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ ناول کے تراجم کرنے والے ناول نگار خود بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ انتظار حسین کا یہ دعوی ہے کہ ترگنیف کے ناول "فادر اینڈ سنز کا" نئی پود کے نام سے ترجمہ کرنے کے دوران "میں نے ان کرداروں کو اپنی بستی میں تصور کیا اور اس زبان میں ان باتوں کو منتقل کیا جو میری بستی کے لوگ بولتے تھے۔ جب میں ترگنیف کا ترجمہ کر رہا تھا اور جب میں ترجمہ کر چکا تو مجھے محسوس ہوا جیسے یہ ناول میرے اندر پک چکا ہے۔ میرے اندر کھد بد ہو رہی ہے۔ اس کے بعد میں اپنا ناول لکھنے بیٹھ گیا اور یوں "چاند گہن" لکھا گیا۔(۷) انتظار حسین کی یہ بات بجا لیکن کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جیسے مارکیز کو حوان رلفو نے دریافت کیا یہ وہی سطح ہے؟ ترگنیف کے ناول میں انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور ان کا تاثر قاری پر ناول کے آغاز سے انجام تک بہت گہرا ہے۔ معاشرہ، ماحول، سماجی نظریات اور خود مصنف کے تعصبات ناول کی دنیا میں کہیں نظر نہیں آتے۔ یہ محسوس نہیں ہوتا کہ

ناول کی دنیا میں مصنف اپنے مسائل حل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جبکہ انتظار حسین کا معاملہ اس کے الٹ ہے۔ وہ ناول میں اس اسلوب کو دریافت کر ہی نہیں پائے جو بڑے ناول نگار کا خاصا ہوتا ہے۔ آندرے ژید نے جب یہ کہا کہ "ہر ادیب کے لیے لازم ہے کہ عالمی ادب کا کم از کم ایک شاہکار اپنی زبان میں منتقل کرے"(۸) تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ محض اپنی زبان کے سرمائے میں اضافہ کرے بلکہ بطور ناول نگار وہ خود کو دریافت کرے۔ وہ ناطہ تاریخ سے نہیں بلکہ تاریخ کے متوازی دنیا بھر کے ناول کی تاریخ سے جوڑے اور دیکھے کہ ناول کی تاریخ کے انسان میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ہومر سے لے کر میلان کنڈیرا تک ناول کی دنیا کے انسان کے ساتھ کیا کیا مسائل پیش آئے۔ تاریخی کرداروں کے متوازی تخلیق کار کے خلق کئے انسان کی تاریخ ہے۔ وہ تمام ہیروز جو تخلیقی فنکاروں نے خلق کیے ان سے گہرا تعلق قائم کیے بغیر ناول کی دنیا میں عظمت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ہیکٹر، ایکلیز، اودیوسیوس، ایڈیپس، ڈان کیخوٹے، کراموزوف برادران اور مادام بواری جیسے سینکڑوں کردار ہیں۔ ہمیں ان سے رہنمائی لینے کی ضرورت تھی۔ جیسے میلان کنڈیرا یورپ کی تمام تاریخ سے واقفیت کے باوجود براخ، تھامس مان کازانتزا کس اور کارلوس فیونیتس کی دنیا سے سروکار رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے "کردار کسی زندہ وجود کی نقل نہیں ہوتا۔ یہ تخیلی وجود ہوتا ہے۔"(۹) یہ تمام کردار زمانوں پر بھاری ہیں۔

عالمی ناول کی حقیقت پسند روایت سے کسی حد تک ہمارے ناول نگار نے استفادہ کیا ہے لیکن مابعد جدید عہد میں فکشن نگاروں نے جو نت نئی ہیئتیں اور اسلوب دریافت کئے ہیں ان سے تخلیقی سطح پر کوئی کام نہیں لیا گیا۔ "ہمارے ہاں حقیقت پسند ناولوں کے تراجم نے قارئین کا ایک وسیع حلقہ ضرور پیدا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول درجے کے نہ سہی ہمارے پاس عالمی ناول کی روایت کے متوازی اپنی روایت بھی موجود ہے۔ سو ہم ان ترجموں کا موازنہ اپنے تئیں مقامی ناول سے کر سکتے ہیں۔(۱۰) یہ موازنہ موضوعاتی مماثلت کے حوالے سے ہو سکتا ہے لیکن قدر کے لحاظ سے نہیں۔ تراجم کو محض ترجمہ سمجھ کے پڑھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا عام قارئین کا کام ہے۔ ہمارے ناول نگار کا دوسری زبان میں لکھے گئے ناول سے فنکار کی سطح پر مکالمہ ہونا چاہیے۔ جب تک وہ اپنا سروکار صرف اردو ناول کی روایت سے رکھے گا عالمی ناول کی روایت سے کٹا رہے گا۔

عالمی ناول اور اردو ناول میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہمارے ناول نگار کے پاس جواب اور مسائل کا حل پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ مغربی ناول میں مصنف کردار کی رہنمائی نہیں کرتا بلکہ کردار کے ساتھ چلتا

ہے۔ان دیکھی دنیا کے طلسم سے ناول نگار اور قاری دونوں واقف نہیں ہوتے۔دونوں اپنی اپنی دنیائیں ایک دوسرے کی مدد سے دریافت کرتے ہیں۔ناول نگار کچھ سوالوں کی تلاش میں نکلتا ہے اور کردار کو ساتھ لے لیتا ہے۔کوئی پہلے سے طے شدہ پلان نہیں ہوتا۔علت و معلول کا سماجی رشتہ یہاں اپنی معنویت کھو دیتا ہے۔جبکہ "میلان کنڈیرا کی دانست میں، فکشن کا اولین،اس کی علت وجود،اس کا فرض منصبی۔۔یہی قطعیت سے اورایقانات سے گریزاور جواب فراہم کرنے کی بجائے سوال اٹھانا!گریز کے اسی دھندلکے میں تضادات،جن سے بیشتر لوگوں کی زندگی عبارت ہے پنپ سکے۔"(۱۱)اردو میں جتنے بھی عظیم ناول ترجمہ ہوئے ان سب میں یہی خصوصیت تھی لیکن سوال یہ ہے کہ اردو کے ناول نگار نے کوئی ایساناول لکھا جس کی تفہیم قاری کے لیے چیلنج کا سبب بنی ہو۔کردار کو آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ناول میں ایسی دنیا خلق ہی نہیں کی گئی کہ کردار ایسے سوالات اٹھا سکے جو قاری کے ایقانات کی برف کو توڑ سکے۔آج کے ناول کے روز افزوں تراجم نے مقامی اور غیر مقامی زبان کے تصور کو توڑ دیا ہے۔ترجمے اور طبع زاد کی تفریق اکیسویں صدی میں کوئی بہت اہمیت کی حال نہیں رہی۔غیر زبان سے ترجمہ ہونے واالے ناول اور تنقید کو ہر بڑی زبان اپنا رہی ہے۔ اب بات اس سے آگے بڑھ گئی ہے کہ "ترجمہ تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔دوسری تہذیبوں سے کچھ سیکھنے اور اپنی تہذیب کو بہتر بنانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔"(۱۲) تہذیب ترجمے سے بہتر ہوتی ہے یا نہیں اس کا تو پتہ نہیں البتہ اردو میں منتقل ہونے والے تراجم کو ان کے موضوعات اور ہیت سمیت اپنانے سے اردو ناول کا دامن ضرور وسیع ہو گا۔تراجم کرنا،تراجم پڑھنااور تراجم کے ساتھ زندہ تعلق قائم کرنا یہ مختلف باتیں ہیں۔بیسویں صدی میں ایرانی زبان میں جتنافرانسیسی اور جرمن فکشن ترجمہ ہوااس کی نظیر نہیں ملتی۔کافکا کے تراجم نے صادق ہدایت جیساناول نگار دریافت کر لیا۔بوف کور کی تخلیق ممکن نہیں تھی اگر وہ کافکا کی تخلیقی قامت قاری یامترجم سے بڑھ کر قبول نہ کرتا۔خود نیر مسعود کی دریافت میں ایرانی کہانی اور کافکا کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ان مثالوں کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ مترجمین اصل مصنفین کے زیر اثر ہیں بلکہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا بدیسی زبان کا مطالعہ ،ترجمہ اور پیچیدہ مصنفین سے تخلیقی سطح پر مکالمہ ہے ان کی عظمت کا سبب بنا۔ہم کسی ناول کی تعریف میں عام طور یہ کہہ دیتے ہیں کہ ناول کا فلاں کردار،فلاں حصہ تو شاندار ہے لیکن فلاں فلاں جگہ سے کمزور ہے۔مغربی ناول کے بارے میں مغربی نقاد ایسی آرا دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ناول کلیت میں متاثر کن ہوتا ہے،اس کے

کردار، بیانیہ، منظر نگاری اور اس کا موضوع مل کر اسے کاملیت بخشتے ہیں۔ ہمیں سروسانسی جیسے خوبصورت لیکن ادھورے اور چاندنی بیگم جیسے مجہول کرداروں سے سے زیادہ پاروشنی، کبیر اور جندروئی جیسے مکمل کرداروں کی ضرورت ہے جو ناول کی اپنی دنیا سے جنم لیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) محمد حسن عسکری، مجموعہ محمد حسن عسکری، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۳۰۱۔

(۲) ایضاً، ۳۰۲۔

(۳) میلان کنڈیرا، ناول کافن، مترجم، محمد عمر میمن، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۳ء)، ۵۳۔

(۴) چودھری محمد نعیم، مرتب، تہذیب نسواں، ایک جریدہ، ایک تحریک — جلد اول، (کراچی: سٹی پریس بک شاپ، ۲۰۲۴ء)، ۱۸۔

(۵) ڈاکٹر سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ۱۳۰۔

(۶) نجیبہ عارف، مدیر بنیاد، جلد ۵، مصری کی ڈلی یا سفید چینی: ترجمہ نگاری اور اس کے آزار از محمد عمر میمن (لاہور: لمز گرمانی سنٹر، ۲۰۱۴ء)، ۱۹۱۔

(۷) ڈاکٹر سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان، ۱۱۸۔

(۸) اجمل کمال، مدیر، آج شمارہ ۱۶، ترجمے کی جدلیات از مظفر علی سید (کراچی: آج کی کتابیں، ۱۹۹۴ء)، ۲۰۶۔

(۹) میلان کنڈیرا، ناول کافن، ۵۰۔

(۱۰) ڈاکٹر ظہیر عباس، مغربی ناول کے تراجم اور پڑھت کے مسائل: تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ریختہ، شمارہ ۶، مدیر ساجد جاوید، (سرگودھا: یونیورسٹی آف سرگودھا جولائی تا دسمبر ۲۰۲۲ء)، ۳۴۔

(۱۱) نجیبہ عارف، مدیر بنیاد جلد ۵، مصری کی ڈلی یا سفید چینی: ترجمہ نگاری اور اس کے آزار از محمد عمر میمن (لاہور: لمز گرمانی سنٹر، ۲۰۱۴ء)، ۱۷۹۔

(۱۲) شاہد حمید، ترجمے کے مسائل، سویرا ۸۳، مدیر: محمد سلیم الرحمن، ریاض احمد (لاہور: قوسین، ۲۰۰۵ء)، ۸۵۔

REFERENCES

1. Muhammad Hassan Askri, *Majmoa e Muhammad Hassan Askri*, (Lahore: Sang e Meel Publications,2004)P301
2. Ibid, p.302
3. Milan Kundera, *Novel Ka Fun*, Muhammad Umar Memon, Tran, (Karachi:Shehrzade, 2013), p.53
4. Ch. Muhammad Naeem. (Edi.) *Tehzeeb e Niswan*, Aik Jareeda, Aik Tehreek,V.1, (Karachi: City Book Shop, 2024), p.18
5. Dr.Sohail Ahmed Khan, *Majmooha e Sohail Ahmed Khan*, (Lahore: Sang e Meel Publications, 2009), p.130
6. Najeeba Arif, Edited, *Bunyad*, Volume5, Mistri Ki Dali Ya Safeed Cheeni: Tarjuma Nigari Aur Uss ke Azaar By Muhammad Umar Memon (Lahore: Lums Gurmani Center,2004), p.191
7. Sohail Ahmed Khan, *Majmooha-e Sohail Ahmed Khan,*p.118
8. Ajmal Kamal, Edit, *Aaj*, Shumara 16,Tarjumy ki Jadliat By Muzafar Ali Syed (Karachi: Aaj Ki Kitabain,1994)P206
9. Novel Ka Fun, p.50
10. Dr Zaheer Abbas, Maghrabi Novel Ke Tarajum Parrhat Ke Masail: Teqeeqi O Tanqeedi Jaiza, *Rekhta*, Volume.6 (Sarghoda: University Of Sarghoda, July Dec2022), p34
11. Najeeba Arif, Edited, *Bunyad*, Volume5,Mistri Ki Dali Ya Safeed Cheeni: Tarjuma Nigari Aur Uss ke Azaar By Muhammad Umar Memon (Lahore: Lums Gurmani Center,2004), p. 179
12. Shahid Hameed, Tarjumy Ke Masail, *Sawera* 83, Editors, Muhammad Salim Ur Rehman (Lahore:Qosain,2005), p85.

❖❖❖